17

دین سیکھنے اور اپنے اعمال کو زیادہ سے زیادہ مکمل بنانے کی کوشش کرو تا کہ تم احمدیت سے صحیح رنگ میں فائدہ اُٹھا سکو

(فرمودہ 17 جون 1949ء بمقام ناصر آباد سندھ)

تشہّد ، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

''دنیا میں مختلف کام مختلف حیثیتیں رکھتے ہیں جس طرح ظاہری اجسام کی مختلف شکلیں ہوتی ہیں اِسی طرح اعمال کی بھی مختلف شکلیں ہوتی ہیں۔ دنیا میں جتنی چیزیں پائی جاتی ہیں اُن میں سے کوئی دائرہ کی شکل کی ہوتی ہے، کوئی چوکور ہوتی ہے، کوئی مستطیل ہوتی ہے، کوئی مثلّث ہوتی ہے، کوئی مخمَّس ہوتی ہے، کوئی مسدّس ہوتی ہے، کوئی مُثمَّن ہوتی ہے اور پھر آگے ان کی کئی قسمیں چلتی چلی جاتی ہیں۔ اِسی طرح انسانی خیالات و افکار اور اعمال بھی مختلف شکلوں کے ہوتے ہیں۔ جب تک ہم کسی مخصوص شکل کے مطابق اپنے بعض مخصوص کاموں کو نہ ڈھالیں اُس وقت تک ہم اس قسم کے کاموں کو سرانجام نہیں دے سکتے۔ مثلاً کوئی کام ایسا ہوتا ہے جو ہزاروں شاخیں رکھتا ہے، کوئی کام ایسا ہوتا ہے جو بیسیوں شاخیں رکھتا ہے اور کوئی کام ایسا ہوتا ہے جو دو دو، تین تین شاخیں رکھتا ہے۔ اب اگر ہم ہزاروں شاخوں والے کام کا ایک ایک، دو دو شاخوں والے کام پر قیاس کر لیں تو ہم یقیناً اس کام کو سرانجام دینے سے قاصر رہیں گے۔ یا اگر ہم کسی شخص کی تصویر بنانا چاہیں مگر ہم نے اس کے خدوخال کو پوری طرح نہ دیکھا ہو تو کیا تم سمجھتے ہو کہ ہم اُس کی صحیح تصویر

بنالیں گے؟ ہم کسی چیز کی تصویر اُس وقت تک نہیں کھینچ سکتے جب تک کہ ہم نے وہ چیز دیکھی ہوئی نہ ہو یا اس کے متعلق پوری طرح تحقیقات نہ کی ہوئی ہو۔ صرف بعض اجزاء کا علم ہونے کی وجہ سے اس کی مکمل تصویر نہیں کھینچی جا سکتی۔ مثلاً انسان کے کان کے متعلق ہم نے سنا ہو اور ہم اس کی تصویر کھینچ لیں تو اسے کوئی انسان نہیں کہے گا یا خالی پاؤں کی ہم تصویر کھینچ لیں یا صرف آنکھ کی تصویر کھینچ لیں تو وہ انسان کا قائمقام نہیں بن سکتی۔ اِسی طرح اگر کوئی خیال یا عمل ایسا ہے جو ہزاروں شاخیں رکھتا ہے تو اس کے ایک حصہ کو اگر ہم لے لیتے ہیں اور یہ سمجھ لیتے ہیں کہ ہم نے وہ خیال ذہن نشین کر لیا ہے یا وہ کام ہم نے مکمل کر لیا ہے تو ہم غلطی پر ہوں گے۔ میں نے دیکھا ہے بعض دفعہ ایک سنجیدہ مزاج اور مخلص آدمی بھی محض اس لیے ٹھوکر کھا جاتا ہے کہ وہ اپنے ذہن میں اس کام کا صحیح اور مکمل نقشہ نہیں بٹھاتا۔ وہ اس لیے ٹھوکر نہیں کھاتا کہ وہ قربانی اور جدوجہد کے لیے تیار نہیں تھا یا وہ اس کام کے لیے قربانی اور جدوجہد نہیں کرتا تھا۔ وہ قربانی بھی کرتا تھا، جدوجہد بھی کرتا تھا لیکن اس نے اس کام کا نقشہ غلط کھینچا اور اسے ناممکن چیز سمجھ کر بیٹھ گیا۔ اس وجہ سے وہ اُن فوائد کو حاصل نہ کر سکا جو وہ حاصل کر سکتا تھا۔ مثلاً اگر کوئی شخص مکان کا یہ نقشہ کھینچ لے کہ اُس کی دو دیواریں ہوتی ہیں اور چھت ہوتی ہے تو جو شخص دو دیواروں والا مکان بنالے وہ چوروں سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔ چور آئیں گے اور اُس کا مال اُٹھا کر لے جائیں گے۔ وہ بارش سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔ بارش آئے گی اور وہ بھیگ جائے گا اور اس کے گھر کا سامان بھی خراب ہو جائے گا۔ اِسی طرح وہ ہوا کے جھونکوں سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔ ہوا سے جو نقصان ہوتا ہے مثلاً لوہے کی اشیاء وغیرہ کو زنگ لگ جانا اس سے وہ بچ نہیں سکتا۔ اب اسے یہ تکلیف اس لیے نہیں ہوگی کہ اس نے مکان بنانے کے لیے کوشش نہیں کی اور جدوجہد سے کام نہیں لیا۔ اس نے عمل بھی کیا اور قربانی بھی کی لیکن وہ اس سے فائدہ نہ اُٹھا سکا کیونکہ اسے پتا نہیں تھا کہ مکان ہوتا کیا ہے۔ اگر اسے پتا ہوتا تو جہاں اس نے دو بڑی دیواریں بنالی تھیں کیا وہ دو اَور دیواریں نہیں بنا سکتا تھا؟ یا کیا وہ دروازہ میں سوراخ نکال کر زنجیر نہیں لگوا سکتا تھا۔ اُس نے دس میں سے آٹھ روپے خرچ کیے تو باقی دو روپوں کے خرچ کرنے میں اسے کیا تکلیف تھی۔ اس نے یہ نقصان اسی لیے اٹھایا کہ اسے پتا نہیں تھا کہ مکان ہوتا کیا ہے اور یہ کہ اس کے لیے چار دیواروں کا ہونا ضروری ہے۔ غرض کسی کام کو سرانجام دینے سے قبل ضروری ہوتا ہے کہ

اس کا مکمل نقشہ ذہن میں بٹھا لیا جائے، اُسے اس کی مخصوص شکل میں ڈھال لیا جائے۔ ورنہ ہم اس کام کو مکمل نہیں کر سکیں گے اور اس طرح اس کے فوائد سے محروم رہ جائیں گے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ نے جو حیرت انگیز ترقی کی اس کی وجہ یہی تھی کہ وہ ہر کام کو شروع کرنے سے پہلے اُس کا مکمل نقشہ ذہن میں بٹھا لیا کرتے تھے اور ہر کام کو مکمل کرنے کے لیے اُن کے اندر ایک جوش پایا جاتا تھا۔ یوں تو دنیا کی ساری قومیں ہی قربانیاں کرتی ہیں۔ یہودیوں نے بھی قربانیاں کیں، عیسائیوں نے بھی قربانیاں کیں لیکن ان میں اور صحابہؓ کی قربانیوں میں ایک فرق نظر آتا ہے۔ صحابہؓ میں یہ جذبہ پایا جاتا تھا کہ وہ ہر چیز کی مکمل تصویر کھینچ لیں۔ صحابہؓ کے اس جذبہ کا اس بات سے پتا لگتا ہے کہ ایک دفعہ صحابہؓ نے دیکھا کہ حضرت ابوہریرہؓ چھت پر بیٹھے ہوئے وضو کر رہے ہیں اور بجائے اس کے کہ کہنیوں تک ہاتھ دھوئیں کندھوں تک ہاتھ دھو رہے ہیں صحابہؓ نے دریافت کیا کہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا میں چھت پر بیٹھ کر اس لیے وضو کر رہا تھا تا تم نہ دیکھو اور مجھے ایسا کرتے دیکھ کر ہنس نہ پڑو۔ صحابہؓ نے دریافت کیا کہ آخر آپ ایسا کیوں کر رہے تھے؟ حضرت ابوہریرہؓ نے کہا میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا کہ جتنے اعضاء پر وضو کا پانی پھِرتا ہے وہ قیامت کے دن نورانی ہو جائیں گے۔ اور میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی سُنا تھا کہ کہنیوں کے اوپر کا حصہ اچھی طرح دھویا کرو۔ میرا خیال تھا کہ میں آپؐ سے اس کے متعلق سوال کروں کہ کہنیوں کے اوپر کے حصہ کو صاف کرنے سے کیا مراد ہے؟ لیکن میں آپؐ کی زندگی میں آپؐ سے اس کے متعلق پوچھ نہ سکا۔ اب مجھے خیال گزرا کہ شاید اس سے یہ مراد ہو کہ وضو میں ہاتھ دھوتے وقت کندھوں تک ہاتھ دھویا کرو۔ بہرحال میں نے قیاس کیا کہ اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سے یہی مراد تھی تو ہاتھوں کا یہ حصہ نور سے محروم رہ جائے گا اس لیے میں نے اس دفعہ وضو میں کہنیوں کے اوپر کے حصہ کو بھی شامل کر لیا۔ [1] اب دیکھو صحابہؓ میں کس طرح تکمیل کا جذبہ پایا جاتا تھا۔ انہیں کس طرح ہر کام کو مکمل کرنے کے باوجود بعض دفعہ شُبہ ہو جاتا تھا کہ ہم نے کام کو مکمل طور پر نہیں کیا۔

ہمارے ہاں تو ہر کام میں لاپرواہی سی پائی جاتی ہے۔ یوں سہی یا ووں سہی۔ دونوں برابر ہیں۔ ٹخنہ پر ایک نشان رہ گیا ہے تو کوئی حرج نہیں، سجدہ یا رکوع میں فرق آ گیا تو کیا ہوا۔ لیکن صحابہؓ

ایسا نہیں کرتے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ کسی کام میں اگر برکت ہے تو پھر اس کی مخصوص شکل کو اختیار کرنا چاہیے۔اور انہیں اس بات کا اس حد تک تعہّد تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک دفعہ حضرت عمرؓ کہیں سے گزر رہے تھے کہ آپ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو قرآن کریم پڑھتے سنا۔ انہوں نے ایک لفظ اُس طرح نہ پڑھا جس طرح حضرت عمرؓ جانتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے اُن کو ڈانٹا اور کہا کہ آپ غلط پڑھ رہے ہیں۔ دراصل یُوں پڑھنا چاہیے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا میں ٹھیک پڑھ رہا ہوں۔ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے اِسی طرح ہی سنا ہے۔ حضرت عمرؓ کہنے لگے مجھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یُوں سکھایا ہے اور آپ کہتے ہیں مجھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِسی طرح سکھایا ہے۔ یہ کس طرح ہوسکتا ہے۔ آخر جھگڑا بڑھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کمزور تھے اور حضرت عمرؓ مضبوط تھے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے گلے میں پٹکا ڈال لیا اور انہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئے اور کہا یا رسول اللّٰہ ! یہ قرآن کریم کو بگاڑ کر پڑھتے ہیں۔ آپؐ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے فرمایا تم کس طرح پڑھتے ہو؟ انہوں نے وہ آیت دوبارہ پڑھ کر سنائی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ٹھیک ہے۔ حضرت عمرؓ کہنے لگے یا رسول اللّٰہ ! یہ کس طرح ٹھیک ہوسکتا ہے؟ مجھے آپ نے اس طرح سکھایا تھا کیا اس آیت کو اس طرح پڑھنا بھی ٹھیک ہے؟ آپؐ نے فرمایا ہاں! ٹھیک ہے۔ پھر آپ نے فرمایا قرآن کریم کئی قراءتوں پر نازل ہوا ہے۔2 یعنی قرآن کریم کے الفاظ کو مختلف قبیلوں کے لہجہ کے مطابق مختلف طریق پر ادا کرنا جائز ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ چونکہ اَور قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے اس لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنے لہجہ کے مطابق قرآن کریم سکھایا لیکن دونوں کا مطلب ایک ہی تھا۔ ہمارے ملک میں بھی یہ چیز پائی جاتی ہے۔ گجرات کے علاقہ کی طرف چلے جاؤ وہاں کہیں گے ''کدّے وَینا اے'' لیکن اس کے ساتھ ہی دوسرے علاقہ میں اسی مفہوم کو ''کتھے جانا ہے'' سے ادا کرتے ہیں۔ الفاظ مختلف ہیں لیکن دونوں کا مطلب ایک ہے۔ یہی فرق عربوں میں بھی پایا جاتا تھا۔ اِسی وجہ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب صحابہؓ کو قرآن کریم سکھایا کرتے تو آپ اُن کی زبان کا بھی لحاظ رکھ لیا کرتے تھے۔ یہ زبان کا اختلاف دنیا کے ہر ملک میں پایا جاتا ہے۔ دلّی میں چلے جاؤ تو وہ ''خالص'' کو ہمیشہ ''نخالص''

کہیں گے۔ مثلاً اگر یہ کہنا ہو کہ مجھے خالص گھی چاہیے تو وہ کہیں گے مجھے نخالص گھی چاہیے چنانچہ اچھے اچھے خاندانوں کے لوگ بھی جن میں تعلیم کم ہے نخالص کا لفظ خالص کے معنوں میں استعمال کرتے ہیں اور کہتے ہیں یہ کھانا تو بڑا اچھا ہے اس میں نخالص گھی پڑا ہوا ہے۔ ایک اَور شخص جو زبان کے اس فرق کو نہیں جانتا وہ گھبرا جاتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر اس میں نخالص گھی پڑا ہوا ہے تب تو میں بالکل نہیں کھاؤں گا۔ اس قسم کے زبانوں کے اختلاف بعض دفعہ تو صرف معمولی حد تک رہتے ہیں مگر بعض دفعہ بڑے بڑے اختلاف پیدا ہو جاتے ہیں۔

میں جب حج کے لیے گیا تو ایک یمنی نوکر بھی جدّہ سے ہمارے قافلہ کے ساتھ چل پڑا۔ رستہ میں مَیں اُس سے عربی زبان میں گفتگو کرتا رہا۔ میں نے دیکھا کہ میری باتوں کو وہ خوب سمجھتا تھا مگر بعض دفعہ وہ حیرت سے مجھے دیکھنے لگتا اور میری بات کو نہ سمجھ سکتا۔ اس پر میں نے کسی سے دریافت کیا کہ یہ کیا بات ہے اور باوجود عربی جاننے کے یہ بعض دفعہ میری بات کو کیوں نہیں سمجھ سکتا؟ اس نے بتایا کہ یمنی لوگوں کی زبان کا مکہ والوں کی زبان سے بڑا اختلاف ہے اور اس اختلاف کی وجہ سے بعض دفعہ عجیب واقعات بھی رونما ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ اس نے سنایا کہ تغییر کے معنے عربی زبان میں بدل دینے کے ہیں۔ لیکن یمنی زبان میں اس کے معنے توڑ دینے کے ہیں۔ ہمارے ہاں جب یہ کہیں کہ غَیِّــرْ تو اس کے معنے ہوں گے ''بدل دے'' لیکن یمنی زبان میں اس کے معنے یہ ہوں گے کہ توڑ دے۔ پھر اس نے لطیفہ سنایا کہ ایک دفعہ ایک یمنی نوکر مکہ کی ایک امیر عورت کے ہاں ملازم ہو گیا۔ وہاں بھی حقہ پینے کا رواج ہے۔ مگر ہمارے ہاں تو نہایت معمولی اور ادنیٰ قسم کے حقے ہوتے ہیں کیونکہ ہمارے ملک میں حقہ استعمال کرنے والے عام طور پر غرباء ہوتے ہیں لیکن وہ چونکہ امیر ہیں اس لیے وہ نہایت اعلیٰ درجہ کے حقے استعمال کرتے ہیں اور وہ برتن جس میں پانی ڈالا جاتا ہے وہ بھی یورپ سے منگواتے ہیں جو شیشے کا بنا ہوا ہوتا ہے اور نوکر سارا دن حقہ کی صفائی کرتے رہتے ہیں۔ لکھنؤ کے نواب بھی بڑے اعلیٰ درجہ کے حقے استعمال کیا کرتے تھے اور بعض دفعہ پانی کی بجائے گلاب کا عرق اس میں ڈالا کرتے تھے مگر چونکہ دھواں گزرنے کی وجہ سے پانی کچھ عرصہ کے بعد خراب ہو جاتا ہے اس لیے ضرورت ہوتی ہے کہ اسے بدل دیا جائے۔ اس عورت کو بھی ایک دن پانی بدلنے کی ضرورت محسوس ہوئی تو اس نے اپنے نوکر کو آواز دی

اور اسے کہا غَیِّرِ الشِّیْشَۃَ یعنی حقہ کے نیچے جو پانی کا برتن ہے اس کا پانی بدل دو۔ مگر اس یمنی نوکر کی زبان میں اس فقرہ کے یہ معنے تھے کہ اس شیشہ کے برتن کو توڑ دو۔ جب اس عورت نے یہ بات کہی تو وہ حیران ہو کر اس سے کہنے لگا کہ سِتِّیْ 3 ھٰذَا طَیِّبٌ یعنی اے میری آقا! یہ تو بڑا اچھا ہے۔ اس کو کیوں توڑا جائے؟ اس پر پھر اُس نے کہا کہ قُلْتُ لَکَ غَیِّرِ الشِّیْشَۃَ یعنی میں جو تجھے کہتی ہوں کہ اس کا پانی بدل دو تو تُو کیوں انکار کرتا ہے۔ اس نے پھر کہا کہ سِتِّیْ ھٰذَا طَیِّبٌ بیگم صاحبہ! یہ تو بڑا اچھا ہے۔ اسے غصہ آیا کہ یہ عجیب قسم کا نوکر ہے۔ میں اسے کہتی ہوں پانی بدل دے اور یہ کہتا ہے پانی بڑا اچھا ہے۔ چنانچہ وہ ناراض ہوئی اور اس نے سختی سے کہا کہ میں جو تجھے کہتی ہوں کہ اس کو بدل دے تو تُو کیوں نہیں بدلتا؟ اس پر اُس نے برتن اُٹھایا اور زور سے زمین پر دے مارا اور وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ عورت نے جب دیکھا کہ اس نے برتن توڑ دیا ہے تو وہ اسے گالیاں دینے لگ گئی کہ کمبخت! تُو نے میرا پانچ سَو روپیہ کا برتن توڑ دیا ہے۔ تجھے کس نے کہا تھا کہ تُو اس برتن کو توڑ دے؟ وہ نوکر کہنے لگا کہ میں بھی تو یہی کہتا تھا کہ یہ برتن بڑا اچھا ہے مگر تم کہتی تھیں کہ اسے توڑ ڈالو۔ اب میں نے برتن توڑا ہے تو تم نے شور مچانا شروع کر دیا ہے کہ میں نے برتن کیوں توڑا ہے۔ وہ حیران ہوئی کہ یہ کیا بات ہے اور میں نے کب اسے برتن توڑنے کا حکم دیا تھا۔ آخر کسی شخص نے جو یمنی زبان جانتا تھا اسے بتایا کہ غَیِّرِ الشِّیْشَۃَ کے معنے یمنی زبان میں یہی ہیں کہ شیشہ کا برتن توڑ دو۔ پس اس نے جو کچھ کیا ہے اپنی سمجھ کے مطابق کیا ہے۔ اس میں غصہ اور ناراضگی کی کوئی بات نہیں۔

غرض زبانوں کے اختلاف کی وجہ سے بڑے بڑے فرق پیدا ہو جاتے ہیں۔ اوائل میں جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو قرآن کریم سکھایا تو چونکہ مختلف قبائل کے لہجوں میں اختلاف تھا اس لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اجازت دے دی کہ ایسے الفاظ جن کا ادا کرنا ان کے لیے مشکل ہو انہیں وہ اپنے لہجہ کے مطابق پڑھ لیا کریں اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ تک یہی سلسلہ جاری رہا۔ لیکن جب اسلامی حکومت قائم ہو گئی اور مکہ کی زبان ہر جگہ رائج ہو گئی اور ہر قبیلہ کے لوگ ان سے متعارف ہو گئے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حکم دے دیا کہ اب صرف مکی لہجہ میں قرآن کریم لکھا اور پڑھا جائے۔ 4 باقی زبانیں ترک کر دی جائیں تا کہ

آئندہ کوئی اختلاف پیدا نہ ہو۔اب دیکھو یہ بظاہر ایک چھوٹی سی بات تھی مگر اس کے لیے حضرت عمرؓ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جیسے عظیم الشان صحابیؓ کے گلے میں پٹکا ڈال دیا اور وہ انہیں کھینچ کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آئے۔ ہمارے ہاں کوئی ایسی بات ہوتو کہہ دیا جاتا ہے۔ چلو! یوں کہہ لیا یا ووں کہہ دیا۔اس میں کیا حرج ہے؟

غرض حقیقت کو سمجھ کر اگر عمل کیا جائے تو انسان بہت سی غلطیوں سے بچ جاتا ہے۔اور اگر ایسا نہ کیا جائے تو اس کے نتیجہ میں ایسی ہی حالت ہو جاتی ہے جیسے کوئی مکان بنائے تو اس کی دو دیواریں ہوں۔ اس سے اس کا سامان محفوظ نہیں رہ سکتا۔ ہوائیں اس کے مکان کو اُڑا کر لے جائیں گی، کیڑے اس کے مال کو ضائع کر دیں گے، بارش کی نمی اس کا ستیاناس کر دے گی، چور اُس کا مال اُٹھا کر لے جائیں گے۔اسی طرح جو فکر اور عمل ٹھیک طور پر استعمال نہ ہو اس کا نتیجہ بھی اچھا نہیں نکل سکتا۔ پس مومن جب کسی چیز کو اہم قرار دے تو اس کا فرض ہوتا ہے کہ وہ اس کی اہمیت کو پوری طرح سمجھے۔تم شریعت کو سمجھنے اوراس پر پوری طرح عمل کرنے کی کوشش کرو۔اگر اس میں کوئی نقص رہ جائے گا تو تمہارے ثواب میں یقیناً کمی آجائے گی۔صحابہؓ اس بارہ میں نہایت احتیاط سے کام لیتے تھے۔ایک دفعہ ایک جنازہ آیا جب نماز جنازہ ختم ہوگئی اور لوگ واپس لوٹنے لگے تو ایک صحابی نے کہا میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو شخص نمازِ جنازہ میں شامل ہوتا ہے اسے ایک قیراط کے برابر ثواب ملتا ہے اور اگر وہ جنازہ کے ساتھ قبر تک جاتا ہے اور میت کے دفن ہونے تک وہاں انتظار کرتا ہے اور دعا کر کے واپس آتا ہے تو اسے دو قیراط کے برابر ثواب ملتا ہے۔ پھر آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ قیراط سے رَتی مراد نہیں بلکہ یہ قیراط اُحد پہاڑ کے برابر ہے۔ دوسرے صحابیؓ جو پاس کھڑے تھے وہ خفا ہو کر بولے کہ تم نے ہم پر بہت ظلم کیا اگر تم نے یہ بات رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنی ہوئی تھی تو تمہارا فرض تھا کہ ہمیں بھی بتاتے۔معلوم نہیں ہم نے اب تک کتنے اُحد ثواب کے ضائع کر دیئے ہیں۔5 تو دیکھو! صحابہؓ کس طرح چھوٹی سے چھوٹی بات کو یاد رکھتے اور اس کی تعمیل کرتے تھے۔ان کی سب بڑائی اسی میں تھی۔

حدیثوں میں آتا ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ مسجد میں لیکچر فرما رہے تھے کہ مسجد میں آدمی زیادہ ہوگئے اور جو لوگ کناروں پر تھے انہیں چونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی

آواز اچھی طرح نہیں پہنچتی تھی اس لیے وہ کھڑے ہو گئے تا کہ آپ کی آواز سُن سکیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بعد میں آنے والے بالکل محروم ہو گئے۔ نہ وہ آواز سن سکتے تھے اور نہ آپ کی شکل دیکھ سکتے تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ دیکھا کہ کھڑے ہونے والوں نے بعد میں آنے والوں کو بالکل محروم کر دیا ہے تو آپ نے فرمایا بیٹھ جاؤ۔ آپؐ نے جب کہا بیٹھ جاؤ تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جو اُس وقت مسجد کی طرف آ رہے تھے وہیں گلی میں ہی بیٹھ گئے اور چونکہ انہوں نے مسجد میں لیکچر سننے کے لیے ضرور پہنچنا تھا اس لیے انہوں نے بچوں کی طرح گھسٹ گھسٹ کر مسجد کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔ جب دوسرے لوگوں نے انہیں گھسٹتے ہوئے دیکھا تو انہیں تعجب ہوا۔ چنانچہ کسی شخص نے ان سے کہا آپ یہ کیا حرکت کر رہے ہیں؟ انہوں نے کہا میں گلی میں آ رہا تھا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز آئی بیٹھ جاؤ اس لیے میں بیٹھ گیا اور چونکہ میں مسجد میں پہنچ کر آپؐ کا لیکچر سننا چاہتا ہوں اس لیے میں نے گھسٹ کر چلنا شروع کر دیا ہے۔ اس شخص نے کہا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مُراد تو ان لوگوں سے تھی جو مسجد میں موجود تھے آپ سے تو نہیں تھی۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا ٹھیک ہے۔ میں سمجھتا ہوں ایسا ہی ہوگا۔ لیکن اگر میں مسجد میں نہ پہنچ سکوں اور راستہ میں ہی مر جاؤں تو یہ حسرت باقی رہ جائے گی کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک حکم نہیں مانا۔6 یہی جذبہ تھا جس کی وجہ سے صحابہؓ نے اپنے افکار اور اعمال کو مکمل کر لیا اور بہت زیادہ ثواب حاصل کیا۔

ہماری جماعت کو بھی چاہیے کہ وہ دین سیکھنے کی کوشش کرے اور چھوٹی چھوٹی باتوں کے پیچھے نہ پڑی رہے۔ بعض دفعہ ایک آدمی لغو بحث شروع کر دیتا ہے اور بسا اوقات بڑی بڑی باتوں کو چھوڑ دیتا ہے۔ مثلاً حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ آمین اونچی کہنا یا نیچی کہنا، رفعِ یدین کرنا یا نہ کرنا، ہاتھ سینہ پر باندھنا یا سینہ سے نیچے باندھنا یہ سب چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں، ان پر زیادہ زور دینے کی ضرورت نہیں۔ ان سب طریقوں پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل کیا ہے۔ صحابہؓ میں سے کسی کی طبیعت ایک طرف مائل ہوگئی اور کسی کی طبیعت دوسری طرف مائل ہوگئی۔ مگر مسلمان ان چھوٹی چھوٹی باتوں کے پیچھے پڑے رہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اہم باتوں کی طرف ان کی توجہ نہ رہی۔

غرض لغو بحث کے نتیجہ میں انسان چھوٹی چھوٹی باتوں کے پیچھے پڑا رہتا ہے اور بڑی باتوں کو چھوڑ دیتا ہے اور کبھی بڑی بڑی باتوں پر بیٹھے رہتا ہے اور چھوٹی چھوٹی باتوں کو چھوڑ دیتا ہے۔

ہماری جماعت کے دوستوں کو چاہیے کہ وہ نہ بڑی باتوں کو چھوڑیں اور نہ چھوٹی باتوں کو چھوڑیں اور زیادہ سے زیادہ دین سیکھنے کی کوشش کریں۔ اِس وقت حالت یہ ہے کہ ہمارے مُربی اور معلّم جماعتوں میں جاتے ہیں لیکن جماعت کے لوگ ان سے دینی مسائل سیکھنے کی کوشش نہیں کرتے۔ پُرانے زمانہ میں یہ حالت تھی کہ امام بخاریؒ نے سترہ سفر آدھی دنیا کے صرف ان حدیثوں کے لیے کیے جن کو وہ پہلے سن چکے تھے۔ صرف اس لیے کہ اگر کسی واسطہ کو اڑایا جاسکے تو اسے اڑا دیا جائے۔ مثلاً چھ واسطوں سے امام بخاریؒ کو پتا لگا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں بات یوں فرمائی ہے۔ اس پر وہ چھٹے آدمی کے پاس جاتے اور پوچھتے ہیں کہ تم نے یہ بات کس سے سُنی ہے؟ پھر آپ پوچھتے ہیں کہ وہ شخص زندہ ہے یا مر گیا ہے؟ اگر وہ کہتا کہ جس سے میں نے یہ بات سنی ہے وہ مر گیا ہے تو بات ختم ہوجاتی۔ اگر کہتا کہ وہ زندہ ہے اور فلاں مقام پر رہتا ہے تو آپ وہاں سے چل پڑتے اور اُس شخص سے جا کر پوچھتے کہ کیا تم نے یہ بات بیان کی ہے؟ اگر وہ کہتا کہ ہاں میں نے یہ بات بیان کی ہے تو وہ باقی تمام واسطوں کو چھوڑ دیتے۔ اس طرح آپ نے سترہ سفر کیے۔ اس لیے نہیں کہ آپ کو اس بات کا علم نہیں تھا بلکہ اس لیے کہ آپ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے اَور قریب ہوجائیں۔ اس جدوجہد کا نتیجہ یہ تھا کہ گو وہ دوسَو سال کے بعد پیدا ہوئے لیکن جو روایات انہوں نے لکھی ہیں وہ ان لوگوں کی روایات سے زیادہ صحیح ہیں جنہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے سَو سال بعد روایات لکھیں کیونکہ انہوں نے اُن روایات کو تلاش کیا جن میں واسطے کم تھے۔ اگر پہلے محدث نے ایک روایت کو چھ واسطوں سے بیان کیا تھا تو آپ نے اُسے پانچ واسطوں کے ساتھ بیان کر دیا۔ غرض صحابہؓ اس طرح اپنے علم کی تکمیل کیا کرتے تھے۔ اب کُجا تو یہ حالت ہے کہ وہ لوگ دُور دُور جا کر تحصیلِ علم کیا کرتے تھے اور کُجا یہ حالت ہے کہ ہم معلّم بھیجتے ہیں لیکن لوگ ان سے علمِ دین نہیں سیکھتے۔

ہر مُربی اور معلّم کا یہ کام ہوتا ہے کہ وہ کلاسیں لگا کر لوگوں کو دین کی موٹی موٹی باتیں سکھائے، حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی باتیں سنائے، جماعت کے پچھلے واقعات اور گزشتہ انبیاء کے واقعات سنا سنا کر انہیں بتائے کہ اب ان کو کس رنگ میں قربانی کرنی چاہیے، انہیں اچھے اخلاق سکھائے۔ یوں تو ہر شخص یہ سمجھتا ہے کہ وہ اعلیٰ درجہ کے اخلاق دکھا سکتا ہے۔ لیکن موقع ومحل کے لحاظ سے ضروری نہیں کہ وہ اعلیٰ درجہ کے ہی ہوں۔ مثلاً کسی نے کھانا کھا لیا ہو اور پھر وہ دوسرے کا کھانا دیکھے اور اس کے دل میں لالچ پیدا نہ ہو تو یہ کوئی اعلیٰ درجہ کے اخلاق نہیں ہوں گے۔ ہاں! اُسے فاقہ ہو اور پھر وہ کھانا پڑا ہوا دیکھے اور اس کے دل میں لالچ پیدا نہ ہو تو یہ اچھے اخلاق کا مظاہرہ ہوگا۔

پس معلّموں کا یہ فرض ہے کہ وہ لوگوں کو دین سکھائیں اور جماعتوں کا یہ فرض ہے کہ وہ اُن سے پوری طرح فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں۔ انسان کو خدا تعالیٰ نے ایسی طاقت دی ہے کہ اگر وہ تمام دنیوی کام کرتا رہے تب بھی کچھ نہ کچھ وقت اس کے پاس بچ جاتا ہے جس میں وہ دین سیکھ سکتا ہے۔ بشرطیکہ وہ محنت سے کام لے۔ لیکن اگر وہ اس طاقت سے فائدہ نہ اٹھائے تو یہ اس کا اپنا قصور ہوتا ہے۔

پس چاہیے کہ تمہارا ہر فکر، تمہارا ہر خیال اور تمہارا ہر عمل درست ہو اور وہ دوسروں سے زیادہ مکمل ہو۔ لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ جماعتوں کے پاس جو مربی اور معلّم آئیں اُن سے وہ زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں۔ اور اگر اُن سے فائدہ اٹھانے کا موقع نہ ملے تو تم اپنی جماعت میں سے ہی ایک آدمی مقرر کر لو جو تمہیں دین سکھائے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اردو میں لکھی ہوئی کتابیں ہر ایک اردو پڑھا لکھا آدمی پڑھ سکتا ہے اُن سے مسائل سیکھنے کی کوشش کرو۔ اگر کوئی ایسا نہ کرے اور پھر کہے کہ مجھے احمدیت سے کیا ملا ہے تو یہ درست نہیں ہوگا۔ اس کی مثال ایسی ہی ہوگی جیسے کوئی شخص کونین کھانے کی بجائے جیب میں ڈال لے اور پھر کہے کہ مجھ پر کونین نے اثر نہیں کیا حالانکہ اثر تب ہوتا جب وہ کھاتا۔ جس طرح مُردہ اور زندہ برابر نہیں ہو سکتے، بہرے اور سننے والے برابر نہیں ہو سکتے، اندھے اور سوجاکھے برابر نہیں ہو سکتے اِسی طرح دین سیکھنے کی کوشش کرنے والا اور نہ کرنے

والا دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ پس دین سیکھنے کی کوشش کرو اور اپنے تمام اعمال کو زیادہ سے زیادہ مکمل بناؤ تاکہ تم احمدیت سے صحیح رنگ میں فائدہ اٹھا سکو"۔

(الفضل 4 نومبر 1959ء)

1: مسند احمد بن حنبل مسند ابی ھریرۃ صفحہ 517 حدیث نمبر 7166 مطبوعہ لبنان 2004ء (مفہوماً)

2: بخاری کتاب فضائل القُرآن باب اُنْزِلَ الْقُرآنُ عَلٰی سَبْعَةِ اَحْرُفٍ

3: سِتِّیْ: (لِلْمَرْأَةِ)اَیْ سَیِّدَتِیْ (یعنی اے میری آقا) قال ابن الاعرابی: وَ یَحْتَمِلُ اَنَّ الْاَصْلَ سَیِّدَتِی فَحُذِفَ بَعْضُ حُرُوْفِ الْکَلِمَةِ(اَلصَّوَابُ: سَیِّدَتِیْ)
(تاج العروس جلد2 صفحہ 311 مطبوعہ بیروت لبنان 2007ء)

4: کنز العمال جلد2 صفحہ 583، 584 مطبوعہ حلب 1969ء

5: مسلم کتاب الجنائز باب فَضْل الصَّلٰوۃ عَلَی الْجَنازَۃ (الخ)

6: اسدالغابة جلد3 صفحہ 157 مطبوعہ ریاض 1286ھ، ابوداؤد ابواب الجمعة باب اْلاِمَامُ یُکَلِّمُ الرجل فی خُطبته